ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

1100

اتوار
یکم ربیع الاوّل 1445ھ
مطابق 17 ستمبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

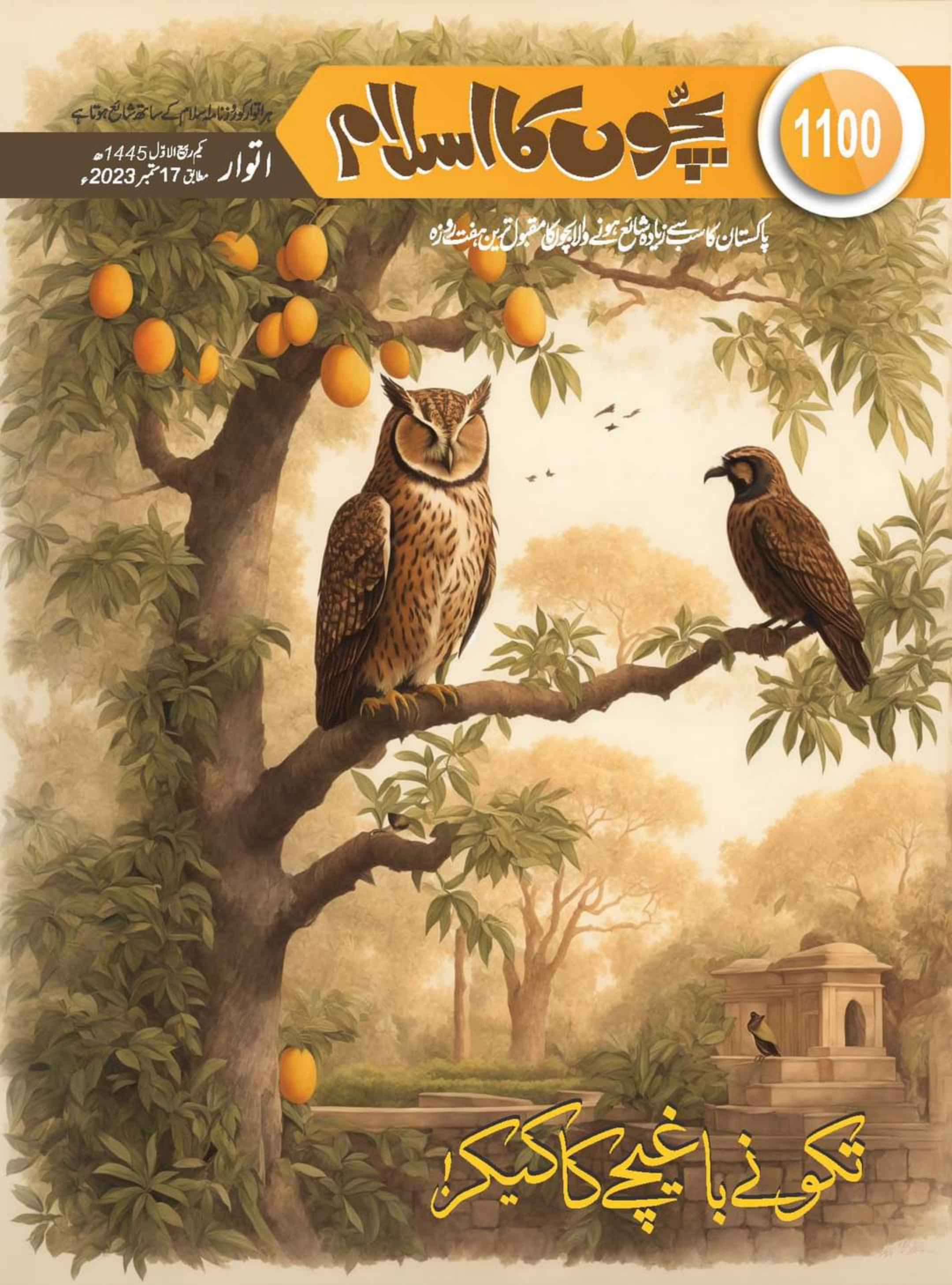

تکونے باغیچے کا کیکر!

القرآن

بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے!

جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور جس سے مجھے یہ اُمید ہے کہ وہ میری غلط کاریوں کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔

(سورۂ شعراء۔ آیت 78 تا 82)

الحدیث

مریض کی عیادت کرو!

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم بھوکے کو کھانا کھلاؤ! مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو رہائی دلاؤ۔"

(صحیح بخاری)

گیارہ سو ہفتے!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کے ہاتھ میں موجود یہ شمارہ وہ مبارک قدم ہے جس نے ایک نئی منزل کو چھو لیا ہے۔

گیارہ سو کی منزل کو.....!

آج سے پورے سو ہفتے قبل بچوں کا اسلام کے ہزار ہفتے مکمل ہونے پر آلف نمبر شائع ہوا تھا، جس کے زمزمے آج سو ہفتے بعد بھی ملک بھر میں گونج رہے ہیں۔ سو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگلے ہزار شماروں کا پہلا سیکڑہ مکمل ہونے پر ایک اور شاندار خاص نمبر شائع کیا جاتا جو گیارہ سو صفحات پر نہ سہی، سو صفحات پر تو مشتمل ہوتا، لیکن یہ بوجوہ ممکن نہ ہو سکا۔

اب کیا تفصیلات بتائیں، بار بار بتا چکے ہیں کہ پچھلے ڈیڑھ برس میں کاغذ کی قیمت دس گنا اور طباعت کی لاگت سو گنا بڑھ چکی ہے۔ سو اگر چھاپ بھی لیں تو اسے آپ خریدیں گے کیسے؟

بہر حال چونکہ ارادے پر بھی ایک نیکی ملتی ہے، اس لیے ہم نے ارادہ ضرور کیا تھا کہ جس طرح ابتدائی دور میں ۳۲ صفحات کے خاص نمبر بھی شائع ہوتے تھے تو شمارہ نمبر ۱۱۰۰ کو بھی بتیس صفحات پر شائع کیا جائے اور اس کی تھیم بھی ہم نے بہت منفرد اور بہت کمال کی سوچی تھی، لیکن کاتبِ تقدیر کو یہ منظور نہ تھا۔

خیر کوشش ترک نہیں ہوئی، ابھی جاری ہے کہ یہ شمارہ نہ سہی، سات آٹھ شماروں کے بعد ضرور ایک شمارہ اسی تھیم کے مطابق بتیس صفحات پر شائع ہو۔ اس ارادے کی تکمیل کے لیے مگر آپ کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ شمارہ ۱۱۰۷ سے جناب اشتیاق احمد کا ناول "اونٹ رے اونٹ" شروع ہو رہا ہے تو کوشش ہوگی کہ یہی شمارہ بتیس صفحات پر مشتمل ہو جائے، باقی اللہ میاں کی مرضی!

☆☆

پچھلے کچھ ماہ سے بچوں کا اسلام کی تزئین و آرائش میں کچھ نیا پن لانے کی اپنی سی کوشش کی ہے، جسے اکثر قارئین نے بہت پسند کیا۔ اس پسندیدگی پر ان کا شکریہ اور اللہ میاں کا شکر۔ کوشش ہوگی کہ ڈیزائننگ کے ساتھ ساتھ مواد میں بھی مزید تنوع لایا جائے۔

تنوع سے یاد آیا کہ اِن دنوں جو چھوٹے چھوٹے سائنسی مضامین اور کہانیاں شائع ہو رہی ہیں، انھیں بھی اکثریت نے پسند کیا ہے، کچھ قارئین نے البتہ ناک بھوں بھی چڑھائی ہے۔ ہماری رائے تو بھئی یہ ہے کہ مومن کو اپنے زمانے کے عصری علوم پر بھی عبور ہونا چاہیے۔ سائنس مسلمانوں کے لیے کوئی اجنبی چیز ہرگز نہیں ہے۔ یہ صدیوں تک جی ہاں کئی صدیوں تک ہماری میراث رہی ہے۔ ایک باعمل مسلمان دینی جذبے اور مقصد سے یہ علوم حاصل کرے گا تو اس پر اللہ رب العزت سے یقیناً اجر پائے گا۔

☆☆

پچھلے کچھ ماہ میں بچوں کا اسلام کے ہمارے خاندان میں کچھ خوشی کی اور کچھ دل افسردہ کرنے والی خبریں سامنے آئی ہیں۔

ان میں سے کچھ کا تذکرہ آج کی محفل میں۔

پہلی خبر جناب اشتیاق احمد رحمہ اللہ کے سب سے بڑے سپوت جناب ڈاکٹر نوید احمد کے بارے میں بالکل اچانک ایک صبح سنی۔ معلوم ہوا کہ آپ دل کا دورہ پڑنے سے انتقال فرما گئے۔

یہ خبر پڑھتے ہی سخت دھچکا پہنچا۔ کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی، فون پر البتہ بیسیوں بار بات چیت ہوئی۔ اسی طرح بچوں کا اسلام کے لکھاری جناب لیاقت علی حلمبہ کی والدہ محترمہ اور ہماری لکھاری بہن محترمہ صبیحہ عماد کی والدہ محترمہ بھی اللہ میاں کو پیاری ہوئیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نوید بھائی اور دونوں خالاؤں کی مغفرت فرمائے اور انھیں اپنا خاص قرب عطا فرمائے۔ قارئین سے اسی وقت آگے پڑھنا موخر کر کے حسبِ توفیق ایصالِ ثواب کی استدعا ہے۔

ابھی پرسوں ہی بہت محترم اور مقبول لکھاری جناب پروفیسر محمد اسلم بیگ مدظلہ نے بھی اپنے چھوٹے بھائی صاحب کے حوالے سے تشویش ناک خبر سنائی کہ ان کی طبیعت بہت خراب ہے، آئی سی یو میں ہیں۔ ان کے لیے بھی آپ سب قارئین سے بہت دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اور تمام بیماروں کو بہت آسانی اور عافیت کے ساتھ کامل شفا عطا فرمائے، آمین!

ان افسردہ افسردہ خبروں کے درمیان کسی طرح خوشی کی ایک خبر بھی چھلکتی ہوئی ہم تک آ پہنچی ہے۔ یہ خبر بچوں کا اسلام کے ہزارویں شمارے کے حوالے سے ہے، لیکن اب صفحہ مکمل ہو گیا ہے، سو ان شاء اللہ تعالیٰ اگلے ہفتے۔

اور ہاں گیارہ سو شمارے آپ سب کو بہت مبارک ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ سب کی دعاؤں سے آلفِ ثانی کا یہ سفر بھی جاری رہے گا۔

والسلام

محمد فیصل شہزاد

مُختصر پُراثر

انفاق فی سبیل اللہ:

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرمبشرہ میں سے ہیں۔ آپ تجارت کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ بنوقینقاع کے بازار سے انھوں نے تجارت کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے مال میں اتنی برکت دی کہ وہ اکثر کہا کرتے: ''اگر میں پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو یہ امید ہوتی ہے کہ مجھے اس کے نیچے سونا یا چاندی ملے گی۔'' اُن کا سامانِ تجارت مدینہ منورہ میں سات سو اونٹوں پر لدا ہوا آتا تھا۔ بعد میں انھوں نے تجارت کے ساتھ زراعت بھی شروع کردی۔ زراعت میں بھی اتنی برکت ہوئی کہ بیس اونٹ صرف آب پاشی کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ دوسری طرف ان کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ مختلف اوقات میں انھوں نے پچاس ہزار دینار، پانچ سو اونٹ، پانچ سو گھوڑے مجاہدین فی سبیل اللہ کو پیش کیے ہیں۔ ایک مرتبہ اپنی زرعی اراضی بیچ کر حاصل کردہ ساری رقم امہات المؤمنین، فقرائے مدینہ اور دیگر ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کردی۔ (نورلامین۔ سیالکوٹ)

امام نووی رحمہ اللہ:

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد شیخ یاسین بن یوسف مراکشی فرماتے ہیں کہ نووی کی زبان پر ہر وقت قرآن کی تلاوت جاری رہتی تھی اور وہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے تھے اور اگر بچے کھیلنے پر اصرار کرتے تو وہ رونے لگتے اور ہر وقت قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے۔ ان کے استاد مزید فرماتے ہیں کہ میرے دل میں امام نووی کی محبت اسی وقت بڑھ گئی تھی جب ان کے والد نے ان کو دکان پر بٹھایا تو دکان کی مصروفیات نے بھی ان کو قرآن پاک کی تلاوت سے نہیں روکا۔

خود امام نووی فرماتے ہیں: ''میں نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدرسہ مواحیہ میں ۶۴۹ھ میں داخلہ لیا۔ اس وقت میری عمر ۱۹ سال تھی میں نے مدرسہ مواحیہ میں دو سال قیام کیا۔ دو سال کے عرصے میں، میں نے اپنی کمر زمین سے نہیں لگائی اور مدرسے کی روکھی سوکھی غذا پر گزارہ کرلیا کرتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں روزانہ بارہ اسباق کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور مطالعہ کے دوران مشکل مسائل کو حل کرلیا کرتا تھا اور امام نووی مطالعے کے دوران کتابوں کی تصحیح بھی کرلیا کرتے تھے ان کے استاد نے ان کے مطالعے میں اتنے انہماک کی بنا پر ان کو معین الدرس مقرر کردیا تھا۔ (بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

اللہ تعالیٰ کی روشنی:

ایک کشمیری مجاہد کا حیرت انگیز قصہ کتاب میں پڑھا، کہتے ہیں کہ رات کو جب ہم دشمن کے علاقے میں گھس کر ۶ کلومیٹر اندر اپنے ابتدائی مورچہ برساتی نالہ کی طرف روانہ ہوئے تو اس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ مجھے کمانڈر صاحب نے دس ساتھیوں کو لے کر ایک طرف سے مقررہ جگہ پر پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ میں ساتھیوں کو لے کر روانہ ہوا۔ انتہائی تاریک رات تھی، کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ ہم اونچے نیچے ٹیلوں، پتھروں اور جھاڑیوں پر چلتے ہوئے جن پر برف بھی پڑی ہوئی تھی، آگے بڑھنے لگے۔ چلتے چلتے مجھے یوں محسوس ہوا، میں ساتھیوں کو لے کر غلط سمت میں بڑھ رہا ہوں۔ آگے آگے میں تھا اور میرے پیچھے دس مجاہدین قطار میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ میں سخت پریشانی کی حالت میں مبتلا ہوگیا۔ اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں غلط سمت میں چلتے ہوئے دشمن کی کسی پوسٹ یا مائنز فیلڈ (بارودی سرنگوں کے علاقے) میں نہ پھنس جائیں۔ پریشانی کے عالم میں میرے لبوں سے بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہوئے:

''اے میرے اللہ تو ہمیں راستہ دکھا، ہم تیرے دین کے راستے میں نکلے ہیں۔''

اچانک مجھے سامنے راستا بالکل صاف نظر آنے لگا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے میرے پیچھے والے ساتھی نے ٹارچ جلائی ہے، میں فوراً مڑا اور پیچھے والے ساتھی کو ڈانٹ کر کہا:

''اللہ کے بندے! تمھیں معلوم نہیں، ہم دشمن کے علاقے میں ہیں، تم نے ٹارچ کیوں جلائی ہے۔''

اس نے کہا: ''بھائی! میں نے ٹارچ نہیں جلائی، میرے پاس تو ٹارچ ہے ہی نہیں اور روشنی ہے ہی کہاں؟''

میں نے دیکھا کہ واقعی اب روشنی نہیں تھی۔ میں چند قدم آگے بڑھا کہ اچانک اندھیرے میں پھر روشنی ہوئی اور میرے آگے صاف راستہ چمکنے لگا۔ میں نے پیچھے مڑ کر پھر ڈانٹا، لیکن اس مجاہد نے قسم کھا کر کہا: ''میں نے ٹارچ ہرگز نہیں جلائی۔''

اب تو میں بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

پھر برساتی نالے تک مجھے روشنی مسلسل نظر آتی رہی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ میں نے دل میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا جس نے غیب سے تاریک رات میں ہماری مدد کی اور میں ساتھیوں کو لے کر خیریت سے مقررہ جگہ پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں، ہم ضرور ان کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں۔''

(ندیم حسین۔ کراچی)

☆☆☆

اے اللہ!

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ وَمِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ۔

''یا اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس حیوان کے شر سے جو پیٹ کے بل چلتا ہے اور اس حیوان کے شر سے جو دو پیروں پر چلتا ہے اور اس حیوان کے شر سے جو چار پاؤں پر چلتا ہے۔''

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

تعویذِ محبت

حافظ عبدالرزاق خان

یار لوگ کہتے ہیں کہ سرکاری ملازمین اتوار کو چھٹی کے مزے اڑاتے ہیں مگر میں اتفاق نہیں کرتا۔ اتوار کو تو ہفتے بھر کے کام نمٹانے ہوتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی کوئی اتوار آتا ہوگا جس میں ہمیں بھی نیند کے مزے میسر آتے ہوں۔

خیر کل وہ خوش قسمت اتوار تھا کہ خدا نے فرصت کے لمحات عنایت کیے۔ ویسے تو ہر نعمت ہی اس کی طرف سے ملتی ہے مگر یہاں خدا کی طرف نسبت کرنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ بال بچوں نے کئی ہفتوں سے گزشتہ اتوار کو کہیں جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا اور سارا دن ہی لگنا تھا اس پروگرام میں، مگر صبح سویرے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی جس سے ان کے منہ بن گئے اور میرا من کھل اٹھا۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ خدا ہی نے یہ فرصت کے لمحات عنایت کیے۔

کئی ہفتوں سے سوچ رہا تھا کہ اپنی اُس الماری کو کھولوں جس میں ماضی کی کچھ حسین، کچھ تلخ یادیں بکھری ہوئی رکھی ہیں۔ سو موقع پاتے ہی اسے کھولا۔ الماری کے پٹ ابھی صحیح سے کھلنے بھی نہ پائے تھے کہ جگری یار عبدالستار علی نعمانی مرحوم و مغفور کی نجانے کب سے رکھی تصویر قدموں میں آگری، جس کی پشت پر ان کی تاریخِ وفات اور یہ رباعی درج تھی۔

چھلک پڑتا ہے میرے آنسوؤں سے
وہ لفظوں میں بیاں ہونے سے پہلے
جواں رہتی ہے یاد اُس کی ہمیشہ
جو مرجائے جواں ہونے سے پہلے

بس پھر کیا تھا، آنکھوں سے رِم جھم شروع ہوگئی۔ یکدم ان کے ساتھ گزارے ماہ و سال نظروں میں گھوم گئے۔ تصویر کو اٹھا کر جیب میں رکھا کہ آج اسے نذرِ آتش کرنا ہے کہ ان کی روح کو تسکین پہنچے، پھر کم و بیش دو گھنٹے میں نے الماری کے ساتھ، بلکہ اپنی یادوں کے ساتھ گزارے۔

موسم کی خوشگواری نے کیفیت بڑھا دی تھی۔ جب الماری کو بند کرنے لگا تو میری نظر نچلے خانے میں رکھی ایک ضخیم کتاب میں رکھے ہوئے ہلدی مائل رنگ کے ایک کاغذ پر پڑی۔ کچھ سوچتے ہوئے اسے نکالا تو وہ وہی تعویذ تھا جو حضرت مفتی جیؒ نے حج سے واپسی کے موقع پر عنایت فرمایا تھا۔

بے اختیار وہ سارا منظر نظروں میں گھوم گیا، مگر میری لاپروائی کو داد دینا پڑے گی کہ اسے دیکھنے کی نوبت تک نہ آئی تھی اور پانچ سال گزر گئے۔ اب تو وہ بھی ہمیں کب کے چھوڑ گئے۔ خیر اس تعویذ کو بھی بٹوے میں رکھ لیا کہ کچھ مزید فرصت ملے گی تو کھول کر بھی دیکھ لوں گا۔

اور فرصت پھر پورے چھتیس گھنٹوں بعد ملی۔

تعویذ کھول لیا ہے اور دل اپنی سستی پر نوحہ کناں ہے۔ رہ رہ کر وہ یاد آرہے ہیں۔ اُن کی عظمت دل میں مزید گھر کر رہی ہے۔

ہمارے اکابر کو اللہ تعالیٰ نے کیا ہی نرالے انداز عطا کیے ہیں۔ بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ پر دعوت کے کام کا اتنا غلبہ تھا کہ اگر کوئی عقیدت مند آکر کوئی پریشانی بتلا کر دعا کی درخواست کرتا یا کسی مریض کے لیے تعویذ مانگتا تو آپ فرماتے:

''اللہ کی راہ میں نکل جا، سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' اور واقعی یہ تعویذ (راہِ خدا کا خروج) اتنا کارگر ہوتا کہ بیمار چنگا ہوجاتا اور پریشانی دُم دبا کر بھاگ جاتی۔

قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی پریشان حال حاضرِ خدمت ہوکر تعویذ مانگتا تو اوّل تو اسے ٹال دیتے اور کرنے کا کوئی عمل بتلاتے مگر جب محسوس کرتے کہ یہ ٹلنے والا نہیں ہے تو اسے تعویذ لکھ دیتے اور اس کی گرانی دور ہوجاتی، حالانکہ تعویذ پر یہ عبارت لکھی ہوتی: ''اے اللہ! میں جانتا نہیں اور یہ مانتا نہیں۔''

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ تحفظ ختم نبوت کے مشن سے اس حد تک

وابستہ تھے کہ اس کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ کوئی بھی مفلوک الحال، مریض یا دم کرانے والا آپ کے پاس آتا تو اسے ایک ہی تعویذ دیتے اور ایک ہی قسم کا دَم کرتے۔ خدا کی شان کوئی ایسا نہ تھا جسے افاقہ نہ ہوتا ہو اور وہ تھی سورۃ الاحزاب کی آیت مبارکہ:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ ربّ العزت نے صراحتاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی خبر دی ہے!

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس مدینہ منورہ میں ایک معتقد آیا۔ ہندوستانی تھا، عرض کیا: ''حجرت! کوئی تعویذ تو دے دو۔''

''آہستہ بول کوئی عربی سن نہ لے۔'' حضرت نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر فرمایا، پھر بولے: ''کیسا تعویذ چاہیے تجھے؟''

وہ جھٹ سے بولا: ''ایسا تعویذ چاہیے کہ اسے پہنوں تو تاجونا لو پیار ہو جاوے۔''

(یعنی ایسا تعویذ بنا کر دیں کہ اسے پہنوں تو آپ کی محبت دل میں پیدا ہو جائے!)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تالیٰ اس کی اس بات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً زبان سے نکلا: ''ارے تعویذ تو تُو نے مجھ پر کر دیا۔''

حضرت شیخ نے درودِ پاک کو حرزِ جان بنایا ہوا تھا۔ اسی کی ترویج کرتے، اسی کی ترغیب دیتے اور اسی کے ذریعے آفتوں سے نجات کا حل تجویز فرماتے۔

خیر بات ہو رہی تھی حضرت مفتی جی رحمہ اللہ تعالیٰ کی۔ آپ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بھکر کے ضلعی امیر تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ تعویذ دیتے ہوئے انھوں نے فرمایا تھا کہ جو اسے روزانہ پڑھے یا کسی خوش نویس سے جلی حروف میں لکھوا کر اپنے گھر کے وسط میں دیوار پر لٹکا دے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ قادیانیت کے فتنوں سے امن میں رہے گا۔

شومئ قسمت اُس وقت اِس تعویذ کو کھول کر نہ دیکھا تھا۔ حسبِ عادت الماری میں رکھ دیا تھا اور اب کھولا ہے تو اپنے اوپر بہت غصہ آ رہا ہے کہ کیوں اتنی تاخیر کی، تعویذ کچھ اس طرح ہے:

درمیان میں ایک دائرہ ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب صورت کتابت میں لکھا ہوا ہے اور دائرے کے گرد یہ اسماء لکھے ہوئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فیروز دیلمی، حضرت ابودجانہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت وحشی، حضرت حبیب بن زید انصاری، حضرت ضرار بن ازور (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) حضرت ابومسلم خولانیؒ، حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (رحمہم اللہ تعالیٰ)۔

اِن مبارک ہستیوں کے علاوہ مزید سینتالیس نام چھوٹے چھوٹے لکھے ہوئے ہیں جنھیں پڑھنے کے لیے محدب عدسہ درکار ہے۔

اِس تعویذ کو محض ایک بار پڑھنے سے ذہن میں جھماکے سے ہو رہے ہیں تو اس وقت کیا حالت ہوگی جب گھر میں آتے جاتے اِن مقدس ہستیوں کے ناموں پر نظر پڑے گی، جنھوں نے میری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختمِ نبوت کا تحفظ کیا۔

واہ مفتی جی کیا کہنے آپ کے! آپ نے خواہ اس تعویذ کا کوئی نام تجویز کیا ہو یا نہیں، میں تو اسے 'تعویذِ محبت' کا نام دوں گا، جسے دیکھتے ہی آقا پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ صرف والہانہ محبت بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے تحفظ پر مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

کھلونے والا

عباس العزم

بیچ رہا ہوں اونے پونے
اچھے اور انمول کھلونے

آؤ بچو! دوڑ کے آؤ
جلدی آؤ، دوڑ لگاؤ

یہ لے جاؤ، وہ لے جاؤ
جلدی آؤ، جلدی پاؤ

پاکٹ میں ہیں پیسے جتنے
بس سمجھو ہیں سستے اتنے

چیتا لے لو، ہاتھی لے لو
آؤ اپنا ساتھی لے لو

گیدڑ، لومڑ اور یہ بھالو
بلی خالہ، بلا خالو

کھیل دکھانے والا بندر
پل میں باہر، پل میں اندر

یہ دیکھو یہ شیر ببر ہے
سب سے بہادر اور نِڈر ہے

طوطا لے لو، مینا لے لو
جیسے چاہو اُن سے کھیلو

رانی لے لو، راجا لے لو
ڈولی لے لو، باجا لے لو

بچو! مت اب دیر لگاؤ
سارے کھلونے تم لے جاؤ

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

74

میر حجاز

اختر حسین عزمی

نبی رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینۂ مبارک پر دست اقدس رکھا اور دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْ مَا فِیْ صَدْرِہٖ مِنْ غِلٍّ وَّاَبْدِلْہُ اِیْمَانًا۔

”یااللہ! اس کے سینے میں جو کچھ میل کچیل ہو وہ دور کردے اور اس کے بدلے ایمان سے اس کا سینہ بھردے۔“ (مستدرک للحاکم)

قبولِ اسلام کے وقت بعض مؤرخین کے نزدیک آپ کی عمر تیس سال تھی اور بعض کہتے ہیں کہ عمر چھبیس سال تھی۔

☆☆☆

”یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ خواہ ہم زندہ رہیں خواہ مریں؟“

دارارقم میں صحابہ کرام کو نماز کی تیاری کرتے دیکھ کر عمر بن خطاب نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔

”کیوں نہیں اے عمر! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو، خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو۔“

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یقین سے لبریز آواز میں کہا۔

”تو پھر لات وعزیٰ کی پرستش تو کفار علی الاعلان کریں اور ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت چھپ کر کیوں کریں؟“

”اے عمر! اہل اسلام ابھی کمزور ہیں اور دشمن بہت زیادہ ہے۔“

”کیا عمر کے ہوتے ہوئے بھی؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ہم ضرور باہر نکلیں گے۔“

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ آپ جس بات کو حق سمجھتے تھے، اسے علانیہ کرنا بھی اپنا حق سمجھتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ جن مجلسوں میں انھوں نے کفر کے گن گائے تھے، اب وہاں وہ اسلام کے نعرے لگائیں۔ کچھ ہی دیر میں جاں نثارانِ مصطفیٰ کی دو قطاریں بن گئیں۔

ایک قطار کے آگے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور دوسری قطار کے آگے آگے عمر بن خطاب چل رہے تھے۔

ان کے چلنے سے ہلکا ہلکا غبار ایسے اُڑ رہا تھا جیسے چکی چلنے سے آٹا اُڑتا ہے۔ قریش کے دو بہادر سپوت آگے آگے چلتے صحن حرم میں داخل ہوئے۔

قریشِ مکہ اس انتظار میں تھے کہ خطاب کا بیٹا انھیں خوشخبری سنائے گا کہ میں محمدؐ کا (معاذ اللہ) کام تمام کر آیا ہوں اور پھر سب مل کر ”ہبل کی جے“ کا نعرہ لگائیں گے اور پھر اپنے کانوں سے خدیجہ کی آہ وبکا، علی اور ابوبکر کی غمناک آہیں سنیں گے۔ ابوطالب کے گھر میں صف ماتم بچھ جائے گی اور مسلمان غم سے نڈھال ہوں گے لیکن یہ کیا ہوا کہ صحن حرم میں پہنچتے ہی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے کہا:

”خبردار! اگر کسی نے مسلمانوں سے چھیڑ خانی کی تو میری تلوار اس کا خون چاٹے بغیر نہیں رہے گی۔“

اور اس کے ساتھ ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کعبہ کرنے لگے اور عمر ان کی حفاظت کے لیے ان کے ساتھ ساتھ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیور ہی بدلے بدلے دکھائی دے رہے تھے۔ کفر حیران اور انگشت بدنداں تھا۔ اہل کفر مغموم تھے کہ یہ کیا ہوگیا۔ بتوں کا پجاری یکا یک خدائے واحد کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگیا۔ محمدؐ کا دشمن ان کا غلام بن گیا۔ جس کی تلوار سے ہم قریشیوں کی امیدیں وابستہ تھیں، اب وہ تلوار اسلام کی حمایت میں بے نیام ہوا کرے گی۔ ہم قریشیوں کا تو بازو ہی ٹوٹ گیا۔ عمرؓ سے اس نادانی اور کم ہمتی کی ہرگز توقع نہ تھی۔ محمدؐ بن عبداللہ کی نگاہ اور زبان میں نہ جانے کا کیا جادو ہے کہ آدمی بس انھی کا ہوکر رہ جاتا ہے۔

آج قریش کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ کفر وشرک کے ایوانوں میں کہرام مچ گیا۔ شیاطین کے ہاں صف ماتم بچھ گئی۔ مسلمانوں کو حق کے طاقتور ہونے کی جتنی خوشی آج ہوئی تھی، ایسی خوشی انھوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ آج پہلی بار اسلام پوری شان وشوکت کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ اب مسلمان بیت اللہ کے گرد حلقے بنا کر بیٹھنے لگے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے اور سختی کرنے والوں کا جواب سختی اور برابری کی سطح پر دینے والے بن گئے۔ حضرت عمر بن خطاب حق وباطل کے فرق کو واضح اور واشگاف کرنے والے کی حیثیت سے نمودار ہوئے اسی لیے زبان رسالت مآب سے آج عمر کو ”فاروق“ کا لقب عطا ہوا۔

(شرح مواہب اللدنیہ)

اب عمر فاروق کا جنون فارغ بیٹھنے والا نہ تھا۔ وہ اپنا گریبان چاک یا دامن کفر کو چاک چاک کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ سو انھوں نے سوچا: ”مکے کا کون شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے؟“

”میرے ماموں عمرو بن ہشام سے زیادہ بڑا دشمن اسلام کون ہوسکتا ہے؟“

(حضرت عمر کی والدہ ابوجہل کی چچازاد بہن تھیں)

انھوں نے جی ہی جی میں کہا اور پھر اس کے گھر کی طرف چل پڑے۔

گھر پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی ہی دیر میں مکہ کا ابوالحکم اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا۔

عمر کو کھڑے دیکھا تو کہنے لگا: ”اھلاً و سھلاً! اے میرے بھانجے! کیسے آنا ہوا؟“

”میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں۔ اور وہ جو کچھ لے کر آئے ہیں، اس کی تصدیق کرچکا ہوں۔“

”تیرا برا ہو اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی برا ہو۔“ یہ کہہ کر عمرو بن ہشام نے گھر کا دروازہ بند کرلیا۔

اس کے بعد آپ اپنے ایک اور ماموں عاصی بن ہاشم کے گھر پہنچے اور اسے بھی اپنے اسلام لانے کی خبر دی۔

وہ بھی اپنے گھر میں گھس گیا لیکن عمر کا دل ابھی اپنے ایمان کے اظہار پر مطمئن نہ تھا۔ وہ کافروں کے سینے پر مونگ دلنا اور کفر کے دل پر مزید ضربیں لگانا ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ اب وہ اس تلاش میں نکلے کہ منادی کرنے والا کون سا ڈھنڈورچی ہے جو مکہ میں سب سے ممتاز ہے جس کے ذریعے وہ پورے مکے میں اعلان کروائیں۔ چنانچہ انھوں نے قریش کے سب سے زیادہ زبان آور ڈھول پیٹنے والے بنو جمح کے جمیل بن معمر کو تلاش کرلیا اور

اسے بتایا: ''اے جمیل! میں مسلمان ہوگیا ہوں۔''

یہ سنتے ہی ڈھنڈورچی نے بلند آواز سے چیختے ہوئے کہا: ''لوگو! خطاب کا بیٹا صابی ہوگیا ہے، بے دین ہوگیا ہے۔''

وہ یہ خبر سنانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا۔

عمر فاروقؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے کہتے جارہے تھے:

لوگو! یہ جھوٹ کہتا ہے میں تو مسلمان ہوا ہوں۔''

عمر فاروقؓ کی یہ جرأت رندانہ ایسی نہ تھی کہ اہل کفر اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیتے، بالآخر قریش مکہ ان پر ٹوٹ پڑے۔

وہ عمر کو مار رہے تھے اور عمر لوگوں کو مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا اور عمر تھک کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے:

''تم سے جو بن پڑے کرلو۔ خدا کی قسم! اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر مکے میں یا تم رہتے یا ہم ہی رہتے۔'' (تاریخ عمر بن خطاب لابن جوزی)

(جاری ہے)

فائدے کی بات

کیا آپ بھول جاتے ہیں؟

احمد سدیس

کیا آپ کی یادداشت کمزور ہورہی ہے.....؟

آپ کو آج بہت ضروری کام کرنا تھا، مگر کیا کرنا تھا کچھ یاد نہیں۔

امی نے جو سودا سلف منگوایا تھا، ان میں سے آدھی چیزیں تو آپ لانا ہی بھول گئے۔

امتحان کے لیے اچھی طرح تیاری کرنے کے باوجود جب جواب لکھنے بیٹھے تو آدھا بھول گئے۔

ایک کمرے سے اٹھ کر کسی کام کے لیے دوسرے کمرے میں گئے، لیکن وہاں پہنچنے کے بعد بھول گئے کہ کس کام کے لیے آئے تھے۔

آپ نے بازار میں ایک شناسا کو دیکھا، مگر عین وقت پر اس کا نام ذہن میں نہیں آرہا۔

جب یہ کیفیت ہو تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی یادداشت کمزور ہورہی ہے، تو چلیے ہم آپ کو درج ذیل سترہ ترکیبیں یادداشت بہتر کرنے کی بتاتے ہیں:

۱۔ خود کو ہمہ وقت پُرسکون رکھنے کی کوشش کریں۔ دل و دماغ میں انجانے وسوسے، واہمے اور بے معنیٰ خیالات نہ پالیں۔ اگر کسی نے آپ سے کوئی بات سرد گرم بات کہہ بھی دی ہے تو منفی انداز میں اسے ہی نہ سوچتے رہیں۔ اُس پر مٹی ڈالیں اور ذہن سے جھٹک کر اچھی باتوں پر توجہ مرکوز کردیں۔

۲۔ سونے سے قبل اگلے دن کے کاموں کا ایک چارٹ بنائیں کہ فجر کے بعد پہلا کام کیا کرنا ہے؟ اسکول سے آکر اور شام میں کیا کرنا ہے؟ یہ چارٹ اپنے کمرے میں لگائیں۔

۳۔ اپنی جیب میں ایک نوٹ بک ہمیشہ رکھیں۔ ضروری باتیں اُس میں نوٹ کرتے جائیں تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئیں۔

۴۔ رات کی کم از کم ۸ گھنٹے کی نیند ضرور لیں، نیز دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ بھی ضرور کریں۔ دن میں تھوڑی دیر نیند کی جھپکی سے بھی ذہنی اور جسمانی صحت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

۵۔ عصر سے پہلے کچھ وقت اچھے مطالعے کو ضرور دیں۔

۶۔ کچھ غذائیں یادداشت کے لیے بہت اچھی ہیں۔ ان میں ڈارک چاکلیٹ، مچھلی، انڈے، بیریاں خصوصاً بلوبیری، کالے انگور، خشک میوے خصوصاً اخروٹ اور بادام، ترش پھل، ہرے پتوں والی سبزیاں اور مختلف اقسام کے بیج جیسے پانچ مغز وغیرہ شامل ہیں۔

۷۔ سلجھے ہوئے اور باوقار دوستوں کے ساتھ میل ملاقات رکھیں۔ اچھی صحبت کے بھی بہت اچھے اثرات ہوتے ہیں۔

۸۔ روزانہ ورزش ضرور کریں یا ورزشی کھیل کھیلیں۔ خاص طور پر باقاعدگی سے دوڑ لگانے سے یادداشت بہتر ہوتی ہے، اور اس کے لیے صبح کا وقت زیادہ اچھا ہے۔

۹۔ جب بھی اسکول کا کام کریں، کچھ یاد کریں یا مطالعہ ہی کریں تو ذہن کو کچھ وقت کے لیے آرام دیں۔ فوراً ہی کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوں۔ اس طرح یاد کیا ہوا بہت اچھی طرح یاد رہے گا۔

۱۰۔ رٹا لگانے سے بچیں۔ ہمیشہ مضمون کو سمجھ کر پڑھیں، جیسے کوئی کہانی پڑھتے ہیں۔ رٹا ہوا ذہن سے نکل جاتا ہے، لیکن خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھا ہوا تادیر یاد رہتا ہے۔

۱۱۔ دماغ کا خوب استعمال کریں۔ کیونکہ دماغ کو جتنا استعمال کیا جائے، وہ اتنا ہی تیز کام کرتا ہے۔ جو لوگ ذہنی چیلنجوں کے حوالے سے زیادہ متحرک ہوتے ہیں، وہ ہر عمر میں ذہنی طور پر تیز رہتے ہیں، سو نت نئی پہیلیاں بوجھا کریں، کوئی نیا کام مثلاً نئی زبان سیکھتے رہا کریں۔

۱۲۔ ناموں کو یاد رکھنے میں مشکل کا سامنا ہو تو کسی نئے فرد کا نام اس سے بات چیت کرتے ہوئے زیرلب چار پانچ بار ضرور دہرائیں۔

۱۳۔ گھر کو صاف ستھرا اور سلیقے سے رکھنے کی کوشش کریں۔ ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھیں۔ بے ترتیبی سے بھی حافظہ کمزور ہوتا ہے۔

۱۴۔ یادداشت بہتر کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرنا شروع کریں۔ مختصر احادیث یاد کریں اور پھر انھیں یاد رکھنے کی کوشش کریں۔

۱۵۔ ہر فرض نماز کے بعد دایاں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر گیارہ مرتبہ ''یاقوی'' پڑھیں۔ نیز ہر فرض نماز کے بعد دایاں ہاتھ دل کی طرف رکھ کر سورہ طٰہٰ پارہ نمبر ۱۶ کی آیت ۲۵ تا ۲۸ سات مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

۱۶۔ مسواک کا پنج گانہ نماز سے پہلے وضو میں استعمال کرنے سے حافظہ بہتر ہوتا ہے۔

۱۷۔ یادداشت کو بہتر کرنے کا اعلیٰ ترین نسخہ گناہوں کو چھوڑنا ہے۔ اپنی نظروں کی حفاظت کریں۔ کسی کی چیز کو کبھی ندیدے پن سے نہ دیکھیں۔ غیبت، جھوٹ حسد، بغض اور کینہ جیسے روحانی امراض سے اپنے آپ کو بچائیں، پھر دیکھیں آپ کی یادداشت کتنی بہتر ہوگئی ہے۔

تکونے باغیچے کا کیکر!

جاوید بسام

شہر کے درمیان دو سڑکوں کے سنگم پر ایک تکونا باغیچہ تھا۔ وہاں کبھی تین درخت لگے ہوئے تھے۔ ایک شیشم کا، دوسرا آم کا اور تیسرا کیکر کا۔

شیشم کا درخت مملکت کے ایک وزیر باتدبیر نے لگایا تھا جس کے پاس ایک ایسی وزارت تھی جس میں خبروں میں آنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ تمام مدت اس نے آرام کیا، لیکن جب الیکشن قریب آئے تو ووٹ لینے کے لیے وہ حرکت میں آیا۔ ایک دن اس کے سیکرٹری نے بتایا کہ ہفتۂ شجرکاری شروع ہو چکا ہے۔ اگر وہ کہیں باغ میں پودا لگائے تو اسے شہرت مل سکتی ہے۔

وزیر باتدبیر کو یہ خیال پسند آیا، مگر مسئلہ یہ تھا کہ شہر میں باغات گنے چنے ہی تھے اور وہاں کوئی نہ کوئی وزیر باتدبیر پودا لگانے پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ آخر سکریٹری کے زرخیز ذہن میں یہ تکونا باغیچہ آیا، لہٰذا ایک دن وزیر باتدبیر بڑے کروفر کے ساتھ وہاں تشریف لائے۔ اُن کے ساتھ کئی مصاحب بھی تھے۔ اخبار اور ٹی وی کے نمائندوں کو بھی خبر کر دی گئی تھی، سو وہ بھی کیمرے لٹکائے چلے آئے۔

مالی نے پہلے سے گڑھا کھود رکھا تھا۔ وہ پودا اٹھا کر گڑھے کے قریب لایا۔ وزیر صاحب نے پودے کو چھو کر گڑھے میں اتارنے میں مدد دی۔ اصل کام مالی ہی کر رہا تھا۔ جب پودا گڑھے میں رکھ دیا گیا تو مالی نے مٹی ڈال دی، پھر وزیر صاحب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے پانی دیا۔ موقع پر موجود لوگوں نے بظاہر جوش سے لیکن درحقیقت بے دلی سے تالیاں بجائیں۔ یوں وزیر صاحب نے گویا بہت بڑا پہاڑ سر کر لیا ہو۔

بعد میں مالی نے اس پودے کے گرد گول جالی دار بیرل لگا دیا، تاکہ سڑک پر گھومنے والی آوارہ گائیں، بیل اور بکریاں پودا نہ کھا جائیں یا بچے کھیل کود میں نہ اکھاڑ لیں۔ کچھ دنوں تک مالی جو قریب ہی رہتا تھا اور میونسپلٹی کا ملازم تھا، اسے پانی دیتا رہا پھر آہستہ آہستہ پودا بڑا ہو گیا۔ اس نے جب زمین میں جڑیں پکڑ لیں تو پانی کی ضرورت بھی نہ رہی۔

دوسرا آم کا درخت کسی نے نہیں لگایا تھا، وہ بس خود ہی اگ آیا تھا۔ ہوا یہ کہ ایک دن وہاں کچھ لڑکے گھومتے گھامتے آ بیٹھے۔ وہ آم ساتھ لائے تھے۔ آم کھانے کے بعد انھوں نے گٹھلیاں اِدھر اُدھر پھینک دیں۔ اگلے دن سڑک پر جھاڑو دینے والے نے باغیچے کی بھی صفائی کی اور فالتو کاغذ اور آم کی گٹھلیاں سمیٹ کر لے گیا، مگر ایک گٹھلی اس کی نظروں سے رہ گئی، خدا کا کرنا یہ ہوا کہ اس سے پودا اگ آیا جو بڑا ہوتا گیا اور ایک دن شیشم کی طرح تناور درخت بن گیا۔

تیسرے کیکر کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ کس طرح وہاں اگا تھا، شاید کسی دن کھاد کے ساتھ اس کا بیج وہاں آ گیا تھا۔ بہرحال اب تینوں درخت تناور ہو گئے تھے۔ آم کے درخت پر گرمیوں میں بور لگتا اور کچھ دنوں میں کیریاں نمودار ہو جاتیں تو آم بننے سے پہلے ہی قریب کی آبادی کے بچے توڑ کر لے جاتے۔ کیکر کے درخت پر ساون کے موسم میں پیلے رنگ کے پھول لگتے تو بڑا دلکش نظارہ ہوتا، پھر جب پھاگن میں پھلیاں آنے لگتی تو ایک بوڑھے حکیم سر جھکائے وہاں آتے اور تھیلا بھر کر لے جاتے۔

وقت یوں ہی گزرتا رہا۔ تینوں درختوں پر بے شمار پرندوں کا بسیرا تھا۔ شام ہوتے ہی سب درختوں پر جمع ہو جاتے اور خوب شور کرتے۔ شیشم کے گھنے درخت پر ایک الو کا بھی بسیرا تھا۔ وہ سارا دن پتوں میں چھپا رہتا، مگر جب سورج غروب ہو جاتا اور سڑک

پر گاڑیاں بھی کم ہو جاتیں تو وہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر آتا جاتا نظر آتا۔ کبھی سامنے عمارتوں کے چھجے پر چلا جاتا۔ جوں جوں رات بھیگتی جاتی، سناٹا بڑھتا جاتا۔ وہ وقت الو کے لیے بہت اہم ہوتا تھا۔ وہ تیز نگاہوں سے فٹ پاتھ پر چلتے چوہوں کو ب آسانی دیکھ لیتا۔ کبھی اپنی گردن تین سو ساٹھ ڈگری کے زاویے پر گھما کر آوازیں سننے کی کوشش کرتا۔ ایسے میں سامنے بلڈنگ کے کچھ بچے اپنے برآمدے سے اسے دیکھتے تو بہت حیران ہوتے۔ وہ اسے جادو کا پرندہ کہتے تھے۔

اِس الو کی ایک کوے سے بہت دوستی تھی۔ دونوں اکثر ساتھ نظر آتے۔ کوا جو کھانے کی تلاش میں اِدھر اُدھر آبادیوں میں جاتا رہتا تھا۔ شام کو الو کو تمام دن کی روداد سناتا۔ انسانوں کی عادتوں، اُن کے رویوں، اُن کے مزاجوں کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ الو کا خیال تھا کہ اس کی عمر پچاس ساٹھ سال ہے، مگر وہ جوان نظر آتا تھا۔

اکثر دونوں دیکھتے کہ تینوں درخت آپس میں بحث کر رہے ہیں۔ شیشم کا درخت احساسِ برتری کا شکار تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں سب سے طاقتور درخت ہوں۔ میرا تنا مضبوط، چھاؤں گھنی اور لکڑی سب سے عمدہ ہوتی ہے۔ انسان اس سے اپنی کھڑکیاں دروازے اور فرنیچر بناتے ہیں۔

آم کے درخت کا کہنا تھا کہ میں پھلوں کا بادشاہ ہوں۔ لوگ میرا پھل بہت شوق سے کھاتے ہیں۔

پھر وہ دونوں کیکر کو کہتے کہ ہم دونوں تو بہت کام کے درخت ہیں، جب کہ تم بالکل بیکار ہو۔ کیکر کہتا کہ میری پھلیاں، چھال اور پھول بہت سی دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں اور جب میرے پھول کھلتے ہیں تو آنکھوں کو کتنے بھلے لگتے ہیں، مگر دونوں درخت اس کی باتوں کو ذرا اہمیت نہ دیتے۔ وہ کہتے، تمھاری لکڑی بالکل بے کار ہوتی ہے، تم میں پھل بھی نہیں لگتا۔ سو دونوں اپنی اس طرح کی باتوں سے کیکر کو شرمندہ کر دیا کرتے تھے۔

خیر وقت یوں ہی گزرتا رہا۔ تینوں درخت تکونے باغیچے میں لگے دونوں اطراف کی سڑکوں سے آتی جاتی گاڑیوں اور لوگوں کو دیکھتے رہے۔ خزاں میں ان کے پتے جھڑ جاتے تو وہ ٹنڈ منڈ ہو جاتے۔ بہار آتی تو نئے پتوں سے وہ سج جاتے۔ وقت یوں ہی گزرتا رہا اور آخر تینوں درخت بوڑھے ہو گئے۔

ایک دن موسم بہت خراب تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی اور بادل چھائے ہوئے تھے۔ طوفان کی بھی پیشین گوئی تھی۔ شام کے وقت بارش شروع ہو گئی اور بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی۔ ایسا لگتا تھا کہ طوفان بادوباراں آ گیا ہے۔ لوگ گھروں میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ اسی دوران میں تیز ہوا سے بجلی کے تار گر گئے اور پورا علاقہ تاریکی میں ڈوب گیا۔

ہوا درختوں کو بری طرح جھنجھوڑ رہی تھی۔ اب وہ اتنے مضبوط نہیں رہے تھے۔ ورنہ پہلے انھوں نے ایسے کئی طوفانوں کا بہادری سے مقابلہ کیا تھا، مگر ہوا شاید آج کچھ زیادہ ہی غضب ناک تھی یا ان کے بوڑھے تنوں کو زیادہ لگتی تھی۔ بجلی کے کھمبے اور اشتہاری بورڈ بھی زمین بوس ہو رہے تھے۔ ایسے میں اچانک زوردار آواز آئی۔ ہوا کا ایک جھکڑ پوری طاقت کے ساتھ باغیچے میں لگے کیکر کے درخت سے ٹکرایا۔ کیکر بے چارا اس ٹکرا کو برداشت نہ کر سکا اور زمین بوس ہو گیا۔ اس کے بعد آم اور پھر پیپل بھی زیادہ دیر زمین پر کھڑے نہ رہ سکے۔

درختوں پر رہنے والے پرندے چیختے ہوئے اپنے گھونسلوں اور شاخوں سے اِدھر اُدھر اُڑ گئے تھے۔ بہت سے مارے بھی گئے۔ الو اور کوا بھی فوراً اُڑ کر سامنے ایک عمارت کے چھجے پر جا بیٹھے تھے۔ دونوں بہت ڈرے ہوئے تھے۔

اگلے دن الو اور کوے نے دیکھا کہ میونسپل کمیٹی کا ٹرک وہاں آ رہا ہے۔ تکونے باغ کے پاس آ کر ٹرک رکا۔ اس میں سے تین اہلکار کود ے اور درختوں کا جائزہ لینے لگے۔ پھر انھوں نے بجلی سے چلنے والا آرا نکالا اور درختوں کے ٹکڑے کرنے لگے۔

وہ خاموشی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ کچھ دیر میں انھوں نے شاخوں کو الگ کر دیا۔ اسی دوران ایک موٹر سائیکل اُن کے پاس آ کر رکی اور سوار اُن سے کوئی پتا پوچھنے لگا۔

وہ منہ بند کیے اشاروں اور اونہہ آں کر کے اسے کچھ سمجھانے لگے۔ آخر موٹر سائیکل سوار کی سمجھ میں بات آ گئی۔ اس نے شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

الو نے افسوس سے سر ہلایا اور بولا:

”بے چارے تینوں محنتی اہلکار گونگے بہرے ہیں۔“

کوے نے نظر گھما کر الو کو دیکھا اور خاموش رہا۔

”تم مجھے یوں کیوں دیکھ رہے ہو؟“ الو نے پوچھا۔

پیار کریں گے!

اپنے وطن کی خاک سے ہم پیار کریں گے
صحنِ چمن سے عشق کا اظہار کریں گے
اسلامی مملکت پہ لٹائیں گے جان بھی
حبِ وطن کو زیست کا معیار کریں گے
کر دیں گے دُور بغض و عداوت کی دھند کو
الفت کی فضا اور بھی ہموار کریں گے
نسلیں بھی ان کی یاد کریں گی جہان میں
یوں دشمنانِ ملک پہ ہم وار کریں گے
دے گا یہ زمانہ بھی شہادت کی شہادت
یوں خود کو شہادت کا طلبگار کریں گے
افکار سے پھونکیں گے نئی روح اثرؔ ہم
اشعار سے یوں قوم کو بیدار کریں گے

☆☆☆

اثرؔ جونپوری

"وہ گونگے بہرے نہیں ہیں۔"

"پھر بول کیوں نہیں رہے؟"

"اِس لیے کہ ان کے منہ میں کچھ بھرا ہوا ہے۔"

"ان کے منہ میں کیا بھرا ہوا ہے؟" الو نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک ایسی چیز جو میں نے بھی ایک دن چکھنے کی کوشش کی تھی اور میں اتنا چکرا گیا تھا کہ اپنے گھونسلے کا راستہ بھول کر کہیں اور نکل گیا تھا۔" کوا بولا۔

الو نے آہ بھر کر کندھے اچکائے اور خاموش ہو گیا۔

آخر اہلکاروں نے درختوں کو سمیٹ کر ٹرک میں ڈال دیا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

درختوں کا آشیانہ چھین جانے پر الو نے ایک پرانی عمارت کے چھجے کے پیچھے اپنی پناہ گاہ تلاش کر لی تھی۔ کوے کو بھی کوئی جگہ مل گئی تھی۔ دن گزرتے رہے۔ تکونا باغیچہ یوں ہی پڑا رہا۔ وہ جگہ فالتو کاغذوں اور کچرے سے بدنما لگنے لگی۔ ایک دن جب کوا، الو سے ملنے آیا تو الو نے پوچھا: "کیا خیال ہے اب یہاں دوبارہ درخت لگائے جائیں گے؟"

"مشکل ہے، وزیر با تدبیر کو اپ اس طرح کی شہرت کی ضرورت نہیں رہی۔"

"وہ کس طرح؟"

"اب وہ غریب لوگوں کو راشن کے تھیلے بانٹتا ہے۔" کوے نے کہا۔

الو بولا:

"میرا جی اب یہاں نہیں لگتا کیا کوئی جگہ بچی ہے جہاں کچھ درخت موجود ہوں؟"

کوا کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا: "میں تمھیں ایک دو دن میں بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گیا۔ اگلے دن الو نے دیکھا کہ کچھ لوگ تکونے باغ کو صاف کر رہے ہیں۔ وہ دیکھتا رہا۔ آخر ایک مال بردار گاڑی آئی۔ جس میں سیمنٹ کی تکونی ٹائلیں لدی ہوئی تھیں۔ ایک دو دن میں تمام تکونی ٹائلیں تکونے باغ میں لگا دی گئیں۔

الو بالکل مایوس ہو گیا تھا اسے کوے کا انتظار تھا، پھر وہ وہاں سے رخصت ہو جاتا مگر کوا کئی دن سے غائب تھا۔ آخر ایک شام وہ چلا آیا۔ دونوں دوست باتیں کرنے لگے۔ کوا بول: "میں نے تمھارے لیے ایک اچھی جگہ ڈھونڈ لی ہے۔ شمال کی طرف ایک پرانا احاطہ ہے۔ عمارت غیر آباد اور ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ وہاں پرانے درخت بھی ہیں، سنا ہے اس جگہ کا عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے۔ یہاں فیصلے اتنے جلدی نہیں ہوتے، تم وہاں چلے جاؤ۔ کچھ سال تو آرام سے گزر جائیں گے۔"

الو نے کہا: "اچھی بات ہے، میں ایسا ہی کروں گا، اچھا ہمارے اُن درختوں کا کیا انجام ہوا؟ اب وہ کہاں ہیں؟"

کوا بولا: "اہلکاروں نے انھیں میونسپلٹی کی عمارت کے احاطے میں ڈال دیا تھا۔ وہ کئی دن تک وہاں پڑے رہے۔ پھر ایک دن ایک ترکھان وہاں آیا۔ اس نے ایک اہلکار سے ملاقات کی۔ دونوں میں کچھ راز نیاز کی باتیں ہوئیں۔ آخر ترکھان شیشم اور آم کے درخت کی لکڑی ایک ٹرک پر لاد کر اپنی دُکان پر لے گیا۔ اہلکار نے ترکھان سے بہت کہا کہ کیکر بھی ساتھ لے جائے، مگر وہ مفت میں بھی راضی نہ ہوا اس کا کہنا تھا اس کے پاس کیکر بہت پڑا ہے اور اس کی مانگ نہیں ہے۔ پھر ایک دن میں ترکھان کی دُکان کی طرف جا نکلا۔ جہاں میں نے دیکھا کہ اس نے شیشم کی لکڑی سے ایک خوبصورت نقش و نگار والا دروازہ بنایا ہے۔ اس پر گہری کتھئی پالش کی گئی تھی۔ مجھے سن گن ملی کہ وہ دروازہ وزیر با تدبیر کے نئے بنگلے کے لیے تیار ہوا ہے۔"

"اچھا..... اور آم کی لکڑی کا کیا ہوا؟"

"اسے بھی ترکھان نے مختلف کاموں میں استعمال کر لیا تھا۔" کوے نے کہا۔

"کیکر بے چارے کا کیا ہوا؟" الو نے پوچھا۔

"کیکر یوں ہی کئی ہفتوں تک احاطے میں پڑا رہا، پھر ایک رات عجیب بات ہوئی۔ وہ سردیوں کے دن تھے۔ سرِ شام ہی اندھیرا ہو گیا تھا، لگتا تھا بارش آنے والی ہے۔ میونسپلٹی کا اہلکار جب اپنی ڈیوٹی ختم کر کے احاطے سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک بڑھیا عورت کو دیکھا، جس کے ساتھ ایک چھوٹا لڑکا بھی تھا۔ اس نے اہلکار کو روکا اور بولی: "صاحب! آج بہت ٹھنڈ ہے، کیا یہ فالتو کیکر آپ مجھے دے سکتے ہیں؟ ہم اسے انگیٹھی میں جلا کر کمرہ گرم کر لیں گے۔"

اہلکار نے کچھ سوچا پھر راضی ہو گیا۔ بڑھیا لڑکے کے ساتھ اسے گھسیٹ کر نالے کے کنارے بچی آبادی میں لے گئی۔ یوں ٹھنڈی راتیں انھوں نے کیکر کے درخت کو جلا کر گرماہٹ حاصل کی اور اہل کار کو نم آنکھوں سے دعائیں دیتی رہی۔"

الو نے گہری سانس لی پھر بولا:

"سب سے اعلیٰ کام کیکر سے لیا گیا وہ ایک اچھا درخت تھا۔" ☆☆☆

عزت ضرور کریں گے!

ہم نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ لوگوں کو پیسوں کی، روپے کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی، جتنی احترام کی، عزتِ نفس کی اور توقیر ذات کی ہوتی ہے اور ہمارے ملک میں بدقسمتی سے اس کا رواج بڑا کم ہے اور ہم نے اس بات کی طرف کبھی توجہ نہیں دی۔ آپ حیران ہو کر سوچتے ہوں گے کہ وہ لوگ جو پیسا کماتے ہیں، چراتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، ہم نے ان کا انٹرویو کر کے پوچھا ہے کہ آپ کیوں رشوت لیتے ہیں؟ تو کہتے ہیں، ہم بہت سارا روپیہ لے کر، اکٹھا کر کے عزت خریدتے ہیں۔ پیسا زیادہ ہوگا تو پھر دیکھیے نا آپ ان کو سلام کریں گے۔

اگر یہ سب کچھ کیے بغیر صاحبانِ عزت کو عزت عطا کی جائے تو وہ کوئی بدفعل کر ہی نہیں سکتا کہ میں ایک صاحب عزت آدمی ہوں۔

جب آپ روزہ رکھتے ہیں تو روزے داروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک خاص قسم کی عزت اپنی نگاہوں میں ہوتی ہے، پھر چاہے آپ کہیں ہو، غسل خانے میں ہوں، بند کوٹھوں میں ہوں، چھپے ہوئے ہوں، پانی نہیں پیتے، کوئی چیز نہیں کھاتے، جبکہ اس وقت کوئی آپ کے اوپر سپاہی نہیں ہوتا۔ میں یہ سمجھتا ہوں حکومتیں تو بڑی بے معنی اور لایعنی سی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کی بیمار پرسی ایک دوسرے کی مزاج پرسی انسان ہی کرتے ہیں۔ وہی ایک دوسرے کا پالن کر سکتے ہیں، وہی ایک دوسرے کو سہارا دے سکتے ہیں۔ حکومتیں کبھی نہیں دے سکتیں۔ تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے یہاں یہ چیز بتدریج کم ہو رہی ہے اور ہمیں ایسے مراکز کی ایسے ڈیروں کی ضرورت ہے جہاں ہمیں تعلیم نہ ملے، جہاں چاہے ہمیں گرائمر نہ سکھائی جائے، جہاں چاہے ہمیں درس نہ ملے، لیکن لوگوں کی عزت ضرورت ہو اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ صاحبِ علم نہیں، (صاحب جائیداد نہیں وغیرہ) اس لیے ہم عزت نہیں کریں گے۔ جی نہیں، ہم یہ کہیں گے چونکہ یہ انسان ہے اور حضرت آدم علیہ السلام (نبی) کی اولاد ہے، اس لیے ہم اس کی عزت ضرور کریں گے۔

اشفاق احمد

(انتخاب: ام رملہ۔ حیدر آباد)

اُن کے کوچے میں 13

محمد فضیل فاروق

ہم فجر کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ میں الحمدللہ آگے آگے کی صفوں میں تھا۔ مسجدِ نبوی کے سب سے بزرگ اور چیف امام شیخ علی عبدالرحمن الحذیفی نماز پڑھا کر پولیس والوں کے حصار میں اس جگہ کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں جنازے رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک میرے ساتھ کھڑے ایک شخص نے بالکل قریب سے گزرتے شیخ صاحب کی تصویر کھینچ لی۔

یہ دوسرا واقعہ تھا شیخ کی تصویر کھینچنے والا جو میرے سامنے ہو رہا تھا۔ شیخ صاحب نے عربی میں کچھ فرمایا جو میں ٹھیک سے سن نہیں سکا اور جنازے والے حجرے میں چلے گئے، مگر اگلے ہی لمحے کئی سارے پولیس والے اس شخص کی طرف لپکے، جس نے تصویر کھینچی تھی۔ اس نے فوراً ان کے سامنے تصویر ڈیلیٹ کی۔ شرطے اندر امام صاحب کے پاس گئے اور پھر نمازِ جنازہ شروع ہوئی۔ پھر جنازے کے بعد ایک شرطہ باہر آیا اور اُس شخص کو یہ کہہ کر اندر لے گیا کہ 'شیخ آپ کو بلا رہے ہیں'۔

اس کے چند دن بعد ہی ایک دن فجر کی نماز کے فوراً بعد شیخ حذیفی نے معمول کے خلاف کھڑے ہو کر خطاب فرمایا اور انتہائی دردمندانہ گزارش کی کہ براہِ مہربانی اس موبائل اور کیمرے کے فتنے سے بچیے۔ مجھے ٹھیک سے اب الفاظ تو یاد نہیں مگر لب لباب یہ تھا کہ جن عبادات کے لیے ہم یہاں آئے ہیں کہیں وہ ان بے ادبیوں کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائیں۔ لوگ سلام اتنا نہیں کرتے جتنی تصاویر کھینچتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے کی جالی مبارک کے اوپر یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ اُن سے بات کرتے ہوئے اِس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں، اور تمھیں پتا بھی نہ چلے۔

صحابہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہم اپنے گھروں تک میں بات کرتے تھے تو آواز انتہائی پست رکھا کرتے تھے۔

جامعۃ الرشید کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت استاد صاحب فرماتے ہیں کہ مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں سوال قائم کیا ہے کہ اعمال تو صرف کفر کے نتیجے میں ضائع ہوتے ہیں!؟

تو اس کا جواب مفسرین ہی نے دوسری آیات کی روشنی میں یہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی ایسا شدید جرم ہے کہ آدمی اگر توبہ نہ کرے تو بالآخر نتیجتاً وہ دائرہ اسلام ہی سے نکل جاتا ہے، اور اس کا ایک مطلب حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح دائرۂ اسلام سے خارج ہو جانے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی بھی اتنا سخت جرم ہے کہ اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ أعاذنا اللہ من ذلك۔

یہاں ایک اور لطیف نکتہ ذکر کرتا چلوں:

امام کعبہ شیخ سدیس کی کبھی تلاوت تو آپ لوگوں نے سنی ہوگی.....!؟

کیسی پرجوش آواز ہے۔

پھر نماز اور خاص کر تراویح کے دوران میں شیخ صاحب جب اپنی آواز یک دم بلند کرتے ہیں تو روح میں اندر تک سرور سرایت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہی انداز شیخ بندر بن عبد العزیز بلیلہ کا بھی ہے اور اسی طرح کی پرجوش تلاوت 'بلبلِ حرم' کے نام سے مشہور شیخ عبداللہ الجہنی بھی کرتے ہیں۔ یہ تینوں ہی ائمہ کعبہ ہیں۔

مگر کیا کبھی کسی نے غور کیا کہ یہی شیخ سدیس جب کبھی کبھی مسجد نبوی میں تلاوت کرتے ہیں تو ان کا انداز بالکل ہی مختلف کیوں ہوتا ہے.....!؟

یا یہ کہ ایسا کوئی پرجوش امام حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیوں نہیں ہے!؟

چونکہ میں فطری طور پر جذباتی اور اونچی تلاوتیں پسند کرتا تھا اس لیے مجھے مسجد نبوی کے ائمہ میں اس چیز کی کمی محسوس ہوتی تھی، یہاں تک کہ شیخ صلاح البدیر جو پہلے کعبۃ اللہ کے امام تھے اور زبردست جوشیلی تلاوت فرماتے تھے، اُن کی بھی جب مسجد نبوی شریف میں تقرری ہوئی تو انداز و آواز بالکل دھیمی ہو گئی۔

ایک بار میں مسجد نبوی ہی میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے مجھے بغیر پوچھے ہی اس سوال کا جواب دے دیا:

''بھائی! یہاں کے ائمہ تو نماز میں بھی کبھی اپنی تلاوت کی آواز بھی اونچی نہیں کرتے۔ مقام ہی کچھ ایسا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران بھی ادب اور احترام ملحوظ خاطر ہے۔''

مسجد نبوی میں ترنم کے بادشاہ شیخ ایوب البرماوی جیسے قراء نے بھی نمازیں پڑھائی ہیں، مگر ہر لہجے اور ہر ترنم میں ادب کا سب سے پہلے خیال رکھا.....!

اس شہر میں جب کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دور سے آواز دے کر پکارا تو جبریل امین قرآن پاک کی آیات لے کر نازل ہو گئے۔ اور یہی تو خوبصورتی ہے کہ قرآن پاک کی آیات صرف نبی کے زمانے تک محدود نہیں رہتیں، بلکہ قیامت تک کے لیے لاگو ہو جاتی ہیں!

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر! کہتے ہوئے جبریل کو یہ پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی، عمر کا سرمایہ گیا

ہمیں اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرنی چاہیے کہ یا اللہ پاک! آپ ہی ہمیں اس شہر میں لے کر آئے ہیں، اب آپ ہی ہم سے یہاں کا ادب و احترام کماحقہٗ کروائیے۔

یہ اتنا مقدس ترین شہر ہے کہ یہاں دعائیں تو لمحوں میں قبول ہو کر ظہور ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ مجھے بارہا اس کا تجربہ ہوا ہے اور بہت سے دیگر لوگوں نے بھی ایسا کہا کہ بھئی ہم نے تو یوں دعا مانگی اور توں قبول ہوئی۔ ایک دوست کہتا ہے بھئی میں نے تو اللہ پاک سے دعا مانگی کہ یا اللہ! ریاض الجنہ میں مجھے جگہ دلوا دیجیے اور خصوصاً مجھے اسطوانہ عائشہ اور اسطوانہ ابی لبابہ پر نوافل ادا کر کے دعا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیے۔ کہتا ہے میں نے اسی دن کوشش کی، ریاض الجنہ میں بھی پہنچا اور ایسا حسن اتفاق ہوا کہ ایک کے بعد ایک دونوں ستونوں پر نوافل کے لیے جگہ ملتی چلی گئی، پھر میں اسطوانہ سریر کی طرف بڑھا تو مجھے نکال دیا گیا، پھر کہتا ہے کاش میں نے سارے ستونوں کے لیے یہ دعا کی ہوتی۔

مسجدِ نبوی میں آٹھ ستون ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے کوئی نہ کوئی پہلو جڑے ہیں، اُس کی تفصیل ان شاء اللہ پھر کبھی۔ جاری ہے ☆.....☆

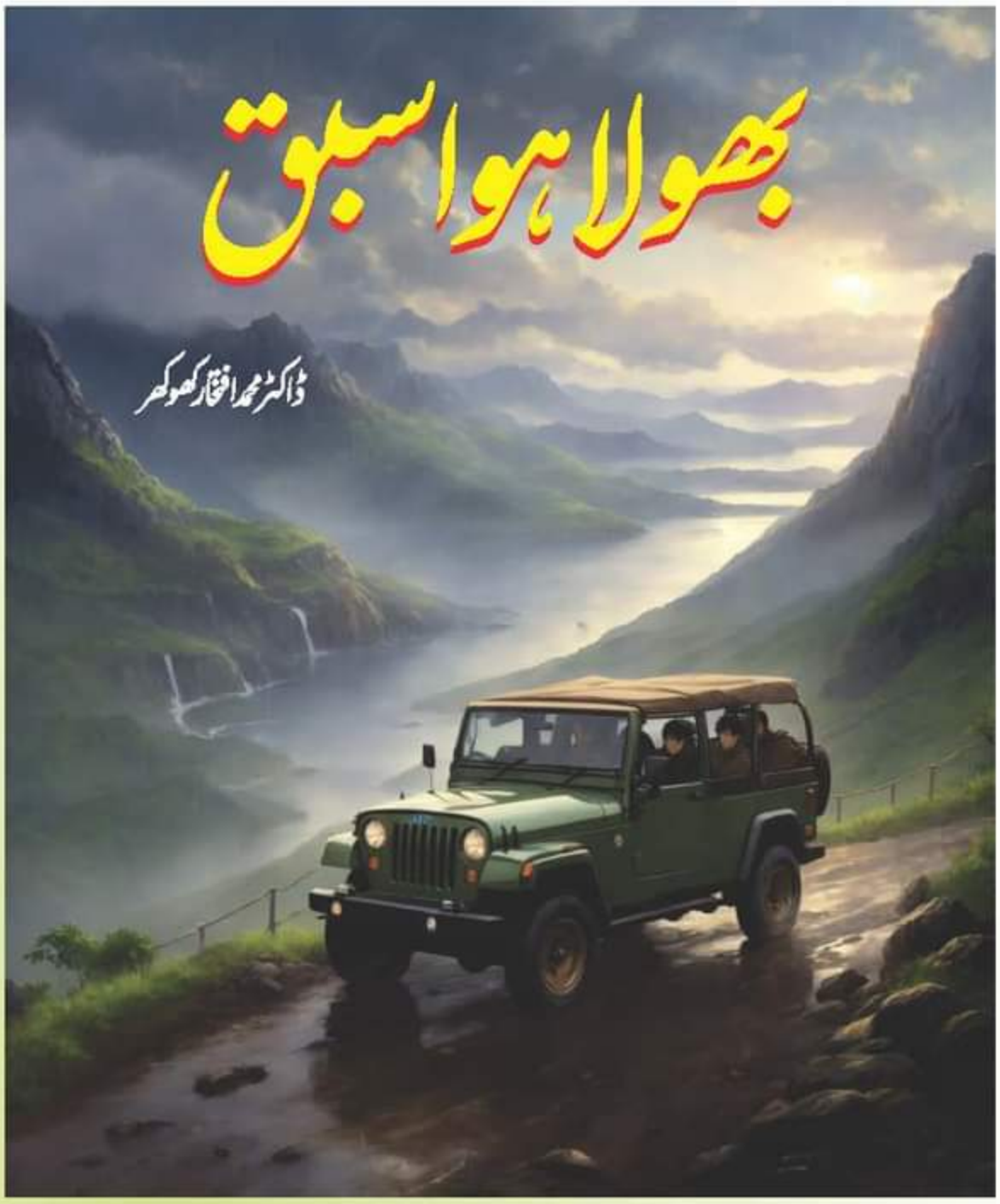

رات بھر سے ہلکی ہلکی بارش جاری تھی، لیکن صبح ہوتے ہی موسلا دھار بارش کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سہیل اور ریحان بہت خوش تھے کہ اِس خوشگوار اور ابر آلود موسم میں پہاڑوں کے دامن میں آباد خوب صورت بستی شاداب نگر میں اپنے دوست نعیم کے ہاں جائیں گے اور دن بھر خوب پکنک منائیں گے۔

☆.....☆

سہیل، ریحان اور نعیم تینوں گہرے دوست تھے۔ وہ شہر کے سب سے مہنگے اسکول میں پڑھتے تھے، اِس لیے کہ ان کے ماں باپ بہت امیر کبیر تھے۔ نعیم کے والد کا بزنس، اندرون و بیرون ملک دونوں جگہ پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے انھوں نے شہر سے کچھ فاصلے پر واقع پہاڑوں کے دامن میں آباد خوبصورت بستی شاداب نگر میں ایک محل جیسا شاندار بنگلہ بنوایا ہوا تھا۔

سہیل اور ریحان اپنے دوست نعیم کی دعوت پر چھٹی کے دن شاداب نگر جا رہے تھے تاکہ اس کا گھر اور وادی دیکھیں گے اور جی بھر کر پکنک بھی منائیں گے۔

☆.....☆

دونوں دوست صبح سے نعیم کے ہاں جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ بارش کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دس بجے کے قریب سہیل اور ریحان، سہیل کے والد کے ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر شاداب نگر کی جانب روانہ ہوئے۔

مسلسل بارش کی وجہ سے سڑک کے دونوں جانب پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ڈرائیور نے سہیل اور ریحان سے کہا کہ رات سے بارش کا سلسلہ جاری ہے، مجھے خدشہ ہو رہا ہے کہ کہیں یہ بارش، سیلاب کا روپ نہ دھار لے، اس لیے میری رائے ہے کہ واپس گھر چلتے ہیں۔

یہ سن کر سہیل اور ریحان ہنسنے لگے، پھر کہا کہ ارے چچا اتنا خوب صورت موسم ہے اور آپ تھوڑی سی بارش دیکھ کر گھبرا گئے! ہم تو جلد از جلد شاداب نگر پہنچنا چاہتے ہیں تاکہ اپنے دوست نعیم کے ساتھ جی بھر کر پکنک منائیں۔

ڈرائیور چچا نے مجبور ہو کر موسلا دھار بارش میں شاداب نگر کی جانب سفر جاری رکھا، مگر شاداب نگر پہنچنے سے پہلے ہی سڑک کے دونوں جانب بہنے والے پانی نے سڑک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر ڈرائیور نے سہیل اور ریحان کے آگے بڑھنے کے بے تحاشا اصرار کے باوجود گاڑی کا رخ واپس گھر کی جانب موڑ دیا۔

سہیل اور ریحان سخت غصے میں آ گئے تھے، مگر وہ بچے تھے، ڈرائیور چچا جہاندیدہ شخص تھے اور بچوں کی حفاظت کی اپنی ذمے داری سے بخوبی واقف تھے، اس لیے باوجود دونوں کی ناراضی کے اظہار کے، وہ واپس گھر پہنچ گئے۔

سہیل اپنے والد سے ڈرائیور چچا کے خلاف شکایت کرنا چاہتا تھا کہ اتنے میں اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔

اس نے فون اٹھایا تو دوسری جانب نعیم تھا جو خوف زدہ آواز میں کہہ رہا تھا کہ موسلا دھار کی وجہ سے پورا شاداب نگر سیلاب کی زد میں آ گیا ہے۔ اِس لیے ہمیں شاداب نگر سے نکالنے کی لیے فوری طور پر کوششیں کی جائیں۔

سہیل اور ریحان جو چند لمحے پہلے ڈرائیور کے خلاف سخت غصے میں تھے انھوں نے فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ڈرائیور نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے شاداب نگر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر یہ سفر جاری رہتا تو وہ بھی سیلاب میں پھنس سکتے تھے۔

اس وقت وہ شاداب نگر کے سیلابی ریلے میں پھنسے ہوئے اپنے پیارے دوست نعیم اور دوسرے لوگوں کی مدد کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے۔

ریحان نے فوری طور پر سیلاب سے بچاؤ کے لیے قائم کردہ حکومتی ادارے سے رابطہ قائم کیا اور سہیل کے ساتھ مل کر شاداب نگر کے لوگوں کو سیلاب سے بچانے کے لیے تدابیر سوچنے لگا۔

سہیل نے ریحان کو مشورہ دیا کہ سیلاب سے بچاؤ کے حکومتی ادارے جب تک متاثرہ خاندانوں کو محفوظ جگہ تک پہنچائیں گے، وہ فوری طور پر اپنی بستی کے امیر کبیر لوگوں کے گھروں کے دروازوں پر دستک دیں گے اور کھانے پینے کی ضروری اشیا جمع کریں گے۔

سہیل اور ریحان جیسے ہی اس مقصد کے لیے گھر سے نکلے تو ان کے دوسرے دوست بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اب دس بارہ نوجوانوں کی ٹیم نے بہت کم وقت میں کھانے پینے کی چیزوں اور استعمال کے کپڑوں کا ڈھیر جمع کر لیا۔ اسی دوران میں حکومت کے قائم کردہ سیلاب سے بچاؤ کے ادارے نے فوج کی مدد سے شاداب نگر کے تمام مکینوں کو محفوظ جگہ پر پہنچا دیا۔

اس سے پہلے کہ شاداب نگر کے سیلاب سے متاثرہ خاندان کسی قسم کی مدد کے طلب گار

ہوتے۔ سہیل، ریحان اور ان کے دوست ٹرکوں پر امدادی سامان لے کر وہاں پہنچ گئے۔

سہیل اور ریحان نے نعیم اور اس کے اہل خانہ کو تلاش کیا تو وہ اچانک آنے والے سیلاب کی وجہ سے خالی ہاتھ کھلے آسمان کے نیچے دوسرے سیلاب زدگان کے ساتھ موجود تھے۔

نعیم کو اس بری حالت میں دیکھ کر سہیل اور ریحان دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ انھوں نے اس کی موبائل فون کی ایک کال پر شاداب نگر کے لوگوں کی زندگیاں بچانے کے لیے، دوسرے نوجوانوں کے ساتھ مل کر وہ کارنامہ انجام دے دیا، جس کی انھیں ذرا بھی توقع اور امید نہیں تھی۔

''نعیم بھائی! ایسی بات نہیں، یہ آپ پر اور شاداب نگر کے لوگوں پر ہمارا کوئی احسان نہیں، یہ تو ہمارا فرض اور ذمے داری تھی کہ مشکل وقت میں آپ کے کام آئیں۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم اہل زمین پر رحم کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔ اس لیے ہم تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ لوگوں کی مدد کے لیے آئے تھے۔ آپ کسی بھی لمحے خود کو تنہا نہ سمجھیں۔''

سہیل اور ریحان کی ٹیم میں شامل نوجوان طارق کی یہ باتیں کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھنے والے ان تینوں دوستوں نے زندگی میں پہلی بار سنی تھیں۔

نعیم سر جھکائے دھیمی آواز میں بولا:

''میں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، وہاں دولت کی ریل پیل تھی۔ محل نما بنگلے میں ایک وقت میں کئی گاڑیاں موجود ہوتی تھیں۔ غربت کیا ہوتی ہے اور غریب کس حال میں زندگی گزارتے ہیں یہ کبھی سوچا ہی نہیں تھا، بلکہ جب بھی کوئی غریب یا حاجت مند میرے سامنے بے چارگی سے ہاتھ پھیلاتا تھا تو میرے دل میں اس کے لیے رحم کی بجائے نفرت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں بے چارے غریب کو بری طرح دھتکار دیتا تھا، لیکن آج اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میرے جیسے کھاتے پیتے گھرانوں کو اپنی اوقات یاد دلا دی ہے۔ اگر میں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان تم اہل زمین پر رحم کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا پر عمل کیا ہوتا تو کبھی اتنے برے حالات سے دوچار نہ ہوتا لیکن تباہ کن سیلاب نے عرش سے فرش پر گرا کر مجھے بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا ہے۔''

سہیل اور ریحان نے بڑھ کر نعیم کو گلے سے لگا لیا۔ ☆☆☆

بے تکی تحریر

حفصہ بی بی۔ ٹیکسلا

کیا کبھی آپ کے ساتھ ایسا ہوا.....؟

آپ کچھ لکھنے بیٹھے ہوں، آپ کسی موضوع پر سوچ رہے ہوں اور سوچتے سوچتے کسی اور ہی دنیا میں چلے گئے ہوں، جہاں کا قانون اس دنیا سے الگ ہو، جہاں آپ پرسکون زندگی گزار رہے ہوں۔ ایک اڑن کھٹولا آپ کے پاس ہو جس پر بیٹھ کر آپ پوری دنیا کی سیر کر رہے ہوں اور وہ اڑن کھٹولا دھوکے سے آپ کو واپس اصلی دنیا میں لے آئے، جہاں آپ کے سامنے ایک موٹا تازہ رجسٹر کھلا ہو۔ 'کھلا قلم' شکایتی نگاہوں سے آپ کو دیکھ رہا ہو، اس سے نظریں چرا کر، بے چین دل کو حوصلہ دے کر ایک بار پھر روٹھے قلم کی طرف ہاتھ بڑھا کر آپ نے لکھنا شروع کیا ہو، اور ابھی دو لائنیں ہی لکھی ہوں کہ ٹھک سے آپ کو اپنی بہت سی تحریریں یاد آ جائیں جو آپ نے کسی صدی میں لکھی تھیں۔ پھر آپ کا ہاتھ خود بخود مایوسی سے ایک طرف ڈھلک جائے۔ قلم ایک لکیر کھینچتا ہوا صفحے پر ہی ڈھے جائے۔ آپ کی نظریں خلا سے ٹکرا کر واپس آ رہی ہوں۔ ہونٹ بند ہوں اور اچانک آپ کے اندر ایک نئی 'امید' انگڑائی لیتے ہوئے آپ کے وجود کو اٹھا دے۔ قلم کو مضبوطی سے پکڑ کر لکھنا شروع کریں، مگر اس وقت غیب سے آتے مضامین سب غائب ہو جائیں۔ پکار، پکار کر آپ تھک جائیں، پھر کسی موضوع کو سوچے بغیر آپ لکھنا شروع کر دیں۔ آپ کے صفحے کی پہلی لائن پر لکھا ہو:

عبدالمعز اور بلال کی بحث زور و شور سے جاری تھی کہ.....''

آپ کو بحث یاد نہ آئے۔ اچانک کسی کام کے لیے اٹھنا پڑے اور آپ کام کر کے واپس آئیں تو آپ کو یہ ابتدائی جملہ پسند نہ آئے۔ آپ کے اندر سے آواز آئے کوئی ایسا جملہ ہو جو سب کو چونکا دے، جو سب کی زندگی بدل دے۔ لوگوں کی باتوں کا موضوع جو بھی ہو لیکن وہ آپ کے اس جملے کو دہراتے پھریں۔ ہر محل ہر جھونپڑی میں اسی کا تذکرہ ہو، واہ واہ کے غلغلے ہوں۔ مدیر چچا اور قارئین جھوم اٹھیں، مگر بہت سوچنے کے بعد بھی کوئی جملہ آپ کے ذہن میں نہ آئے۔ منہ بنا کر ساری کتابیں الماری سے نکال کر 'چونکا دینے والے، ہنسا دینے والے' پر اثر جملوں کی فہرست تیار کر کے آپ تحریر لکھنے بیٹھیں، ایسی تحریر جس میں آپ کو روانی محسوس ہو۔ پڑھ کے آپ مطمئن ہوں، لفافے میں ڈال کر آپ بے چین ہوں، بھائی کی منت کر کے پیسے دے دلوا کر تہجد میں دعائیں مانگ مانگ کر آخر کار وہ دن آ جائے جس کا آپ کو انتظار ہو۔ دھڑکتے دل، کانپتے ہاتھوں، نم آنکھوں، لرزتے ہونٹوں سے آپ کے منہ سے الحمدللہ نکلے۔ میگزین کھل چکا ہو، تحریر پر آپ کا نام ہو۔ مسکرا کر آپ عنوان پر نظریں دہرائیں تو لکھا ہو: 'بے تکی تحریر'..... تو پھر کیا ہوگا؟

کیا کبھی ایسا ہوا آپ کے ساتھ ایسا.....؟

پھر آپ پتا ہے کیا کریں گے؟

سارا دن میگزین کو ادب سے، احترام سے، محبت سے سینے سے لگائے پھریں گے اور گھر والے انتظار میں سوکھ سوکھ جائیں گے اور قارئین ان کو تو رہنے ہی دیں، ہمارا کام ہی ہنسی ہے۔ بے تکی سننا اور سنانا۔ خیر خدا حافظ اب ہم چلتے ہیں، کیونکہ اب تو صدیوں بعد ہی پتا چلے گا کہ ہمارے اس 'سنہرے قول' کو کس عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔

☆☆☆

کہانی ایک سفر کی

پروفیسر محمد اسلم بیگ

محترم محمد فیصل شہزاد نے کتابی صورت میں اپنے سفر کی کہانی کب ہمیں ارسال کی تھی کچھ صحیح اندازہ نہیں ہو رہا لیکن کم از کم یہ چند ہفتوں یا چند مہینوں کی بات نہیں ہے بلکہ شاید اس عنایت کو سال سے اوپر ہو چلا ہے۔ ہم نے اِس تحفے کو یوں سنبھال کر رکھ لیا، گویا ایک سفر کی کہانی پڑھنے کے لیے قاری کا مسافر ہونا بھی ضروری ہے۔ سو اس کا مطالعہ ہم اسلام آباد اور لاہور کے درمیان آمد و رفت کے موقعوں ہی پر کر سکے۔ یہ مطالعہ تین ایام یعنی تین اسفار میں مکمل ہوا لیکن اس سہ روزہ مطالعے نے ہمارے سفر کا لطف دوبالا کر دیا۔ ویسے بھی جس طرح زر و جواہر کی صحیح قدر و قیمت ایک جوہری ہی جان سکتا ہے اسی طرح سفر کی دلچسپی اور افادیت کا اندازہ ایک مسافر ہی کر سکتا ہے۔

یہ سفر نہ تو کوئی عام سا سفر تھا اور نہ ہی کسی عام آدمی نے کیا تھا بلکہ ایک کھلی آنکھیں رکھنے اور حساس دل رکھنے والے ایک ایسے ٹنڈو آدمی نے کیا تھا جو اپنے حسنِ کلام اور زورِ بیان سے ایک بے آب و گیاہ زمین میں ٹنڈ منڈ اور بے ثمر درختوں کو نخلستان میں تبدیل کر سکتا ہے اور پھر سفر بھی ہوا وادیٔ ناران، دریائے کنہار، بالاکوٹ اور جھیل سیف الملوک جیسی سرسبز و شاداب، البیلی اور مدہوش کر دینے والی حسین سرزمین کا، سو ایسی سفر کہانی کو طلسماتی کہانی ہی کہا جا سکتا ہے۔

آغازِ سفر ہی، گھر سے ٹرین پکڑنے تک، دلچسپی اور تجسس سے بھرپور ہے اور یہ دلچسپی کراچی واپسی تک پوری طرح برقرار رہتی ہے۔ معلوم نہیں یہ طے شدہ فیصلہ تھا یا فاصلوں کی کمی بیشی کا تقاضا تھا یا فاضل مصنف نے اپنے نام کی رعایت کی تھی کہ کراچی سے روانہ ہو کر سب سے پہلے فیصل آباد میں پڑاؤ ڈالا اور کراچی واپس آتے ہوئے بھی ایک بار پھر فیصل آباد کا دیدار ضروری سمجھا۔

ابتدائی پندرہ بیس صفحات پڑھ کر ہی اس راز سے پردہ اٹھ گیا کہ وہ اسلام آباد میں کیوں ہمارے مہمان بننے سے کنی کتراتے اور پہلو بچاتے رہے اور وہ راز یہ تھا کہ 'بزرگوں' کے ادب اور لحاظ کے تقاضوں پر زیادہ دیر پورا اترنا اُن کی شوخ و چنچل طبیعت کے لیے اچھی خاصی آزمائش ہوتی ہے اور وہ اس آزمائش میں مبتلا نہیں ہونا چاہتے۔ چنانچہ اپنے ہم عمر جوانوں کے ساتھ 'آسان باش' رہتے ہیں۔

جوں جوں سفرنامے کا مطالعہ کرتے گئے، دلچسپ جملوں اور شوخ مکالموں کو اپنے پاس نوٹ کرنے کے لیے دل مچلنے لگا لیکن اس خیال سے قلم ہاتھ میں نہیں لیا کہ اس سے وقت بھی زیادہ خرچ ہوگا اور مطالعے کی روانی میں بھی رکاوٹ پیدا ہوگی۔ سو ہم نے قلم کو اپنے آپ سے دور ہی رکھا اور مطالعے کی رو میں بہتے چلے گئے، لیکن کب تک اپنے دل کو قابو میں رکھتے! آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر قلم اٹھانا ہی پڑا۔

مثلاً واہ کینٹ کی مرکزی جامع مسجد المعروف 'بڑی مسجد' کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

''اسے دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ بادشاہی مسجد کو کسی نے مختصر کر کے لاہور سے اٹھا کر واہ کینٹ میں لا رکھا ہے۔''

مولانا محمد اسماعیل ریحان کے گاؤں خالق داد میں مدرسے کی چھت پر کھٹولے پر لیٹے لیٹے گزاری ہوئی ایک سحر انگیز رات میں آسمان کی وسعتوں کی خوب منظر کشی کرتے ہیں۔

دریائے ہرو کی موجوں میں ڈیڑھ دو گھنٹے کے موج میلہ کی جھلک:

''پانی کے قریب آتے ہی، پاؤں بھیگتے ہی..... سینے میں کواڑ بند کیے بیٹھا بچہ یکا یک کواڑ کھول کر باہر آ گیا۔ ہم تینوں نے بچوں کی طرح قلقاریاں ماریں اور پانی میں گھستے چلے گئے۔''

اسی طرح جب مصنف نے صفحہ ستر پر آ کر اپنے ہم سفر بلال کا 'راز' کھولا تو جہاں ہم اپنی ہنسی نہ روک سکے، وہیں یہ جملہ نوٹ کیے بغیر نہ رہ سکے۔

''وین کے ہارن نے ہمیں چونکا دیا۔ کافی وقت ہو گیا تھا، بلال نہیں آیا تھا۔ کہیں ہمیں ایک نمبر کا اشارہ کر کے دو نمبر تو نہیں نمٹا رہا تھا؟..... فریبی کہیں کا!''

کچھ اور منظر نامے بھی بہت قابلِ ذکر ہیں۔ فیصل آباد کی جانب ٹرین کے سفر میں چار مختلف النسل لیکن مشترکۃ العادت خواتین کی فرفر چلتی زبانوں کا شکنجہ، پھر ان کی رات بھر کی زبردست جبڑا نہ مشقت کے بعد لمبی تان کر سو جانا، واہ کینٹ میں ایک نہیں بلکہ تین تین ہم شکل افراد سے ملنا، ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی سے انکھیلیاں بھری ملاقات!

بے ساختہ پن، قدرتِ کلام اور شوخیٔ تحریر کے یہ نمونے پورے سفرنامے میں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں اور جب مصنف اپنی اصل منزل جھیل سیف الملوک کی طرف رخ کرتے ہیں تو راستے کی ہریالی، اردگرد پہاڑیوں کے دلکش مناظر، چوٹیوں، چٹانوں چڑھائیوں، ڈھلوانوں اور پگڈنڈیوں کا خوب صورت اور واضح نقشہ ہمارے دامنِ خیال میں بچھاتے چلے جاتے ہیں۔ منزل پر پہنچ کر جھیل کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ ہر پڑھنے والے کا دل اس کے دیدار کے لیے مچلنے لگتا ہے۔

ہمارے ان تاثرات کی تصدیق اور تائید ہمارے لاہور سے راولپنڈی واپسی کے سفر کے دوران ایک ہم سفر نے بھی کی۔ ہوا یوں کہ ہمارے ساتھ والی سیٹ خالی تھی جس پر دورانِ سفر ایک صاحب ہم سے اجازت لے کر بیٹھ گئے۔ ہم اسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ہم نے محسوس کیا کہ موصوف بھی کن انکھیوں سے سفرنامے کا مطالعہ فرما رہے ہیں۔ ہم نے کتاب ان کے قریب کر دی تاکہ ایک باذوق ہم سفر آسانی سے اپنا شوق پورا کر سکے۔

تھوڑی دیر بعد ہم غسل خانے جانے کے لیے اٹھے تو انھوں نے کتاب کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ ہم نے کتاب اُن کے حوالے کر دی تو ان کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ واپس آئے تو وہ اس کے ابتدائی صفحات سے پبلشر کا فون نمبر وغیرہ نوٹ کر رہے تھے۔ انھیں سفرنامہ بہت پسند آیا تھا اور وہ اسے منگوانا چاہ رہے تھے۔

ہم نے انھیں مشورہ دیا کہ بجائے فون نمبر نوٹ کرنے کے آپ اپنے موبائل میں ابتدائی دو صفحات کی تصویر کھینچ لیں۔ اِس طرح مصنف سمیت تمام معلومات آپ کے پاس محفوظ ہو جائیں گی۔ انھوں نے شکریے کے ساتھ اس مشورے کو پسند کیا اور دو صفحات کو عکس بند کر لیا۔

انھوں نے بتایا کہ میرا راولپنڈی اسٹیشن پر کتابوں کا اسٹال تھا جسے اگلی نیلامی میں کسی اور نے لے لیا۔ اب وہاں کھانے پینے کا سامان بکتا ہے۔ بقول ان کے اسٹال میں وہ

اخبارات، رسائل اور کتابیں بیچتے بھی تھے اور پڑھتے بھی تھے۔ تبھی سے انھیں کتب بینی کا شوق پروان چڑھا۔ اب وہ اس ٹرین میں کینٹین کے کنٹریکٹر ہیں۔ ہم نے انھیں مبارک باد دی کہ آپ نے اب اچھا روزگار منتخب کیا ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک میں لوگ چائے بیچتے بیچتے ملک کے وزیر اعظم بن جاتے ہیں۔ اب آپ کے بھی وزیر اعظم بننے کے روشن امکانات ہیں۔ وہ کھلکھلا کر ہنسے اور بولے کہ یہاں تو چائے بیچنے والے ساری عمر چائے ہی بیچتے رہتے ہیں، اوپر چائے پانی پینے پلانے والے ہی پہنچتے ہیں۔

مصنف نے سفرنامے کے آخری صفحات پر 'ہم پہنچے لاہور' کے عنوان سے اپنے دورۂ لاہور کی دلچسپ روداد بیان کی ہے۔ لاہور میں ان کی بہت سی ادبی شخصیات سے ملاقات ہوئی اور ہمیں اچانک حیرت کا جھٹکا لگا کہ انھوں نے اس میں ہم سے ملاقات کا احوال بھی بیان فرمایا ہے۔ ہم سال بھر اس سفرنامے کو اپنی الماری میں ہی رکھے رہے اور اِس بات سے بے خبر رہے کہ اس میں ہمارا ذکرِ خیر بھی ہے۔ اگر یہ معلوم ہوتا تو شروع میں اپنے آپ سے ملاقات کے شوق میں شاید پورا سفرنامہ ہی پڑھ ڈالتے۔

عجیب اتفاق ہے کہ حضرت اشتیاق احمد علیہ الرحمہ سے ہماری پہلی ملاقات بھی لاہور شہر میں ہی ہوئی تھی (مارچ ۲۰۱۴ء) اور تین سال بعد ان کے جانشین جناب محمد فیصل شہزاد سے پہلی ملاقات بھی زندہ دلوں کے اسی شہر میں ہو رہی تھی (جولائی ۲۰۱۷ء)۔ مزید اتفاق یہ کہ حضرت اشتیاق احمد علیہ الرحمہ کے میزبان بھی آصف نام کے دو حضرات تھے (آصف مجید اور آصف محمود قاسمی) اور اُن کے جانشین کے میزبان بھی آصف نامی ہی تھے (آصف بدوی)۔

'ص' اور 'ف' کے تکرار اور اشتراک سے میزبان اور مہمان سبھی حضرت اشتیاق احمد علیہ الرحمہ کی امامت میں ایک ہی 'صف' میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

کتاب کی باطنی خوبیوں نے تو اپنا لوہا منوالیا۔ اب ذرا ظاہری احوال پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ دیدہ زیب سرورق، مضبوط جلد بندی، صاف شفاف سفید کاغذ، عمدہ طباعت، پرکشش سائز، بہترین پروف ریڈنگ، غرض ظاہر ہر لحاظ سے نفیس اور جاذبِ نظر ہے۔ گویا کتاب کا ظاہر و باطن دونوں ماشاء اللہ خوب سے خوب تر ہیں۔ اس کا کریڈٹ مصنف اور پبلشر دونوں کو جاتا ہے۔

آخر میں صابر و شاکر مصنف سے اِس بات کی معذرت کہ ہم یہ دلچسپ رودادِ سفر تادیر اپنی نگاہوں سے اوجھل کیے رہے، اس کے باوجود وہ کوئی گلہ شکوہ زبان پر نہ لائے۔ اس کی تلافی کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ جلد دوسرا سفرنامہ لکھیں، ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اسے پڑھنے کے لیے کسی سفر کا انتظار نہیں کریں گے۔

تبصرہ پڑھنے والے قارئین نے اب تک یہ دلکش سفرنامہ نہیں پڑھا ہے تو وہ اس رابطہ نمبر (03424198208) سے کتاب منگوا سکتے ہیں۔

مسکراہٹ کے پھول

انتخاب: اقصیٰ عبید الرحمن درخواستی

☆.....بچہ (ٹیلیفون پر): آج میرا لڑکا بیمار ہے۔ وہ اسکول نہیں آ سکتا۔

ماسٹر صاحب (آواز پہچان کر): اور یہ ٹیلیفون پر کون بول رہا ہے؟

بچہ (گھبرا کر): ماسٹر صاحب! ٹیلیفون پر میرے والد بول رہے ہیں۔

☆.....ایک صاحب گھر پہنچے تو ان کے ایک کان سے خون بہ رہا تھا۔

سردار صاحب کی بیوی خون دیکھ کر گھبرا گئی اور بولی:

''اجی! یہ کیا ہوا؟''

سردار صاحب نے خون کو کپڑے سے صاف کیا اور بولے:

''ارے کچھ نہیں ہوا۔ بس میں جس سیٹ پر بیٹھا تھا، وہاں کان کے برابر کیل باہر نکلی ہوئی تھی، بس ہچکولے کھاتی تو میرا کان کیل سے جا لگتا تھا۔''

''ہائے ربا تو آپ کسی سے سیٹ بدل لیتے۔'' بیوی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''تم بھی کمال کرتی ہو بیگم! ساری بس خالی تھی، میں سیٹ کیا ڈرائیور سے بدلتا۔'' شوہر نے جھنجھلا کر کہا۔

☆.....ٹیچر: انسان وہ ہے جو دوسروں کے کام آئے۔

شاگرد: لیکن ٹیچر! امتحان کے دنوں میں نہ آپ خود انسان بنتی ہیں نہ ہمیں بننے دیتی ہیں۔

☆.....باغبان: (لڑکے سے): تم سیب کو ہاتھ میں لیے کیا کر رہے ہو؟

لڑکا: کچھ بھی نہیں درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں، تاکہ یہ سیب جو نیچے گر پڑا ہے، اسے اُسی کی جگہ لٹکا دوں۔

☆.....مصنفہ (خادمہ سے): یہ کون سے کاغذ جلا رہی ہو؟

خادمہ: وہی لکھے ہوئے، صاف کاغذوں کو تو میں نے چھوا بھی نہیں۔

☆☆☆

جواہرات سے قیمتی

☆.....اگر اچھا دوست روٹھ بھی جائے تو اسے بار بار مناؤ جس طرح ایک قیمتی ہار ٹوٹنے پر بار بار پرویا جاتا ہے۔

☆.....جب کوئی نیکی کی بات سنو تو اسے پلّے باندھ لو اور یہ نہ دیکھو کہ نیکو کار نے کبھی یا بدکار نے، جس طرح کہ دریا کی تہ میں سے موتی نکالے جاتے ہیں تو یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ کوئی شریف شخص نکال لایا ہے یا برا۔

☆.....دوست ہزار بھی کم ہیں اور دشمن ایک بھی زیادہ ہے۔

☆.....کسی کو اپنی طرف مائل کرنا بہادری نہیں ہے بلکہ کسی کی خوبی دیکھ کر اسی کی طرف مائل ہونا بھی بہادری ہے۔

☆.....بہت زیادہ سفارش کرنے والے انسان کا وقار گھٹ جاتا ہے۔

(انتخاب: طاہر خان۔ مانسہرہ)